ادب اور سیاسی شعور

محمد خرم

Literature is a mirror of different directions of life. A writer is not only affected by his immediate environment but also expresses his views regarding his position. In this way, literature has been comprehensive medium of political expression of his experience. Political incidents and matters are vividly reflected and portrayed with its respective age and by refined piece of literature. In our literary history there have been obvious tendencies of political incidents that have become the hallmark of its narration and narrator. Moreover this combination of literature and politics has brought about notable literary movements, revolutions and theories. In this regard literature and politics evolves into a unit.

ادب زندگی کا آئینہ دار ہے اور زندگی متنوع جہات کی حامل ہے۔ زندگی کی یہ متنوع جہات ادب کو اپنی اپنی حیثیت سے متاثر کرتی رہتی ہیں۔ ایک ادیب اپنے اِردگرد کے ماحول سے نہ صرف متاثر ہوتاہے بلکہ ان کا اظہار بھی کرتاہے۔ ادب میں سیاست کا بیان زمانہئ قدیم سے چلا آرہاہے۔ سیاسی واقعات میں آنے والا اُتار چڑھاؤ ادیب کواس موضوع پر قلم اُٹھانے کے لیے محرک کاکام دیتاہے۔ سیاسی واقعات او رمعاملات کی جھلک ادب کو جہاں عصری شعور عطاکرتی ہے وہیں اپنے عہد کی عکاس بھی بن جاتی ہے۔

ہماری ادبی تاریخ میں مرحلہ وار اکثر ایسے سیاسی واقعات رونما ہوتے رہے جو کسی عہد یا ادیب کی نمایاں پہچان بن کر اُبھرے ہیں۔ میرؔ کے ہاں دلی کے لیے دل کے استعارے اُس عہد کی سیاسی ابتری اور ہلچل کی تغزل کے رنگ میں بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔یہ وہ دور ہے جب مرہٹے، شاہ، گدا، چور اُچکے سب اِ س ہلچل کی بھینٹ چڑھتے نظر آتے ہیں۔ نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں نے زرخیز ذہنوں کو بہت سے مضمون سجھائے۔ دلی کا قتل عام اور شاہوں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں سیاسی حالات کی سنگینی اور سفاکی کے منظر نامے بن کر اُبھرے۔

خطوطِ غالب ۷۵۸۱ء کی دستاویزی حقیقت ہیں اور اتنی بڑی حقیقت ہیں کہ اگر تاریخ کہیں کھو بھی جائے تو ان خطوط سے اُس عہد کی سیاسی تاریخ کے بیشتر گوشوں کو ازسرِ نو مرتب کیا جاسکتاہے۔ غالب۷۵۸۱ء کے بعد پیدا ہونے والی تنہائی میں محض اِن خطوں کے بھروسے جیتا رہا چنانچہ اِن خطوط میں غمِ دوراں کا ہر درد سمٹ آیا ہے اور یہ درد اُس دور کی سیاسی آویز ش کی دین ہے۔

ایک ادیب بعض اوقات شعوری اور غیر شعوری دونوں طرح سے اپنے عہد کی تصویر کشی کرتاہے۔ اس کے لیے اُسے غمِ دوراں کو غمِ جاناں بنانا پڑے یا خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر خامہ فرسائی کرنا پڑے وہ ہر حال میں مشقِ سخن جاری رکھتا ہے۔اس تناظر میں "ادب اور سیاست" ایک باقاعدہ اصطلاح کے طور پر مقبول ہوتی چلی گئی۔

اگر ادب کا اقدار کے حوالے سے بغور جائزہ لیا جائے تو تب بھی سیاست ایک نہایت اہم قدر کے طور پر ادب میں بیان ہوتی رہی ہے۔ اگرچہ جمالیات، مذہب اور ثقافت بھی اہم ہیں تاہم ادب کا زندگی سے براہِ راست تعلق ہونے کی بنا پر سیاست کا ادب سے گہرا رشتہ بنتاہے۔

ایک طرح سے اِن سب اقدار کے تانے بانے زندگی اور سماج سے ہی جُڑے ہوئے ہیں۔ ادب زندگی کا عکاس ہے تو اس کی تمام اقدار کی عکاسی بھی تو ادب کا ہی فرض ٹھہرے گا۔ چنانچہ ادب دیگر تمام اقدار اور جہات کی طرح سیاست کو بھی بھرپور انداز میں بیان کرتا چلا آیا ہے۔ کبھی نظم میں، تو کبھی غزل کے رنگ میں، کبھی براہِ راست مضمون میں تو کبھی ناول و افسانہ کے تناظر میں سیاست کا بیان آج بھی ادب میں جاری و ساری ہے۔

ادب اور سیاست کے تناظر سے بڑی بڑی ادبی تحریکیں انقلابات، معاملات اور جدید ادبی نظریات جُڑے ہوئے ہیں۔ ترقی پسند تحریک، علی گڑھ کی مقصدیت، سوویٹ ادب، مارکسی نظریات کا پرچار، سوشلزم اور کمیونزم کا فروغ یہ سب ایسے زاویے ہیں جن کوادب نے بڑی خوبی سے اپنے اندر سمویا۔ اس طرح ادب اظہار اور انقلاب کی ایک ایسی قوت بن کر اُبھرا ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے اور بالخصوص سیاست کی واضح جھلک ہے۔ آج ادب سیاسی اور اقتصادی حوالوں کے بغیر بے جان ہے کیونکہ:

> "ادب نام ہے زندگی کی عکاسی کا اور جب یہ مسلمہ ہے آزادی اور خاص خاص ضرورتوں کا مہیا ہونا ضروری ہے تو پھر یہ کہنا کیا کہ ادب میں سیاسی اُمور یا اشارہ نہ ہوں۔ سوچنا یہ ہے کہ کیا ادب بغیر ان باتوں کے ادب ہو بھی سکتاہے؟ زندگی اقتصادیات سے وابستہ ہے اور اقتصادیات اور سیاست دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔" ۱؎

اقتصادیات او رسیاست کے اِسی چولی دامن کے تعلق سے بڑے بڑے سیاسی انقلابات اور تحریکیں جنم لیتی ہیں۔ سیاسی حادثات سماج کی ایک بہت بڑی حقیقت بن کر ادب کے توسل ابلاغ کی راہ پاتے ہیں۔ کوئی بھی ادیب اپنے اِردگرد وقوع پذیر سیاسی حادثات اور انقلابات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ بعض اوقات تو ادب سیاسی انقلابات کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ادب کسی بہت بڑے انقلاب کے لیے ذہن سازی اور تحرک کا موجب بنتاہے۔ اس طرح ادب سیاسی انقلاب سے پیشتر، دورانِ انقلاب اور بعد از انقلاب تینوں سطح پر اپنا اثر دکھاتاہے۔ ادب اور سیاست کارشتہ ادب اور تنقید جیسا ہے۔ جس طرح تنقید تخلیق سے پہلے، دورانِ تخلیق اور بعد از تخلیق بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ اِسی طرح ادب بھی سیاسی تبدیلی کے آثار کو ظاہر کرکے، پھر دورانِ انقلاب اس کی غرض و غایت کو پیش کرکے اور انقلاب کے بعد اس کے اثرات کو اُجاگر کر کے اپنا کردار نبھاتاہے۔ کارل مارکس، فریڈرک اینجلز، ترقی پسند مصنفین اور ایسے دیگر ادباء کی تحریریں انقلاب اور سیاست سے جُدا کر کے نہیں دیکھی جاسکتیں اور ان افراد کا بنیادی وسیلہ بہر حال ادب ہی تھا۔ ادب میں مختلف اصناف کے ذریعے سے بڑے بڑے انقلابات جنگوں اور واقعات کو تاریخ کا حصہ بنادیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتاہے کہ ادب سیاست کے بیان کا اہم ذریعہ ہے۔ ایک عمومی رائے یہ بھی ہے کہ بڑا ادب قیدخانوں میں بیٹھ کر لکھا گیااور بڑے ادیب قیدخانوں میں سیاسی نظریات اور اُن کے پرچار کے سلسلے میں ہی لے جائے گئے۔ حسرت موہانی اور فیض احمد فیض اس کی واضح مثال ہیں۔ اِسی طرح "انگارے" کی ضبطی بھی سیاسی نظریات کے پرچار ک کا شاخسانہ تھی۔"انگارے" کے علاوہ بعض بڑے اور قدیم ادب پارے بھی سیاسی موضوعات پر مشتمل ملتے ہیں۔ اِسی حوالے سے ڈاکٹر احسن فاروقی رقم طراز ہیں کہ:

> "روس میں کمال پر پہنچنے والی صنف ناول لے لیں یا انگلستان میں کمال پر رہنے والی صنف شاعری لیں، عظیم ترین ادب پارے اہم واقعات جنگ و انقلاب ہی پر مبنی ہوں گے۔"۲ ؎

قدیم یونان کے ادب کی بات کریں تو سب سے پہلے ذہن ہومر کی"ایلیڈ" کی طرف جاتاہے۔ یہ عظیم نظم بھی ایک قوم کے دو مختلف گروہوں کے درمیان جنگ کا قصہ ہے۔ اگرچہ اس جنگ کی بنیادی وجہ زن، زر اور زمین،میں سے ہی ایک ہے تاہم اس نظم کی خوبصورتی جنگ کے

واقعات، سیاسی برتری اور اقتدار کی خواہش کو فنکارانہ انداز میں پیش کرنے سے ہی ہے۔ ڈاکٹر احسن فاروقی اِس نظم کو دنیا کی پہلی مقبول ترین نظم قراردیتے ہیں اور اُن کے نزدیک اِس کی مقبولیت کی بنیادی وجہ اس میں دو مختلف گروہوں کے درمیان جنگ کے قصے کا ہونا ہے۔۳؎ اور یہ سلسلہ صرف یونان کے ادب تک ہی محدود نہیں بلکہ لاطینی، اطالوی اور انگریزی زبانوں کے ادب میں بھی عظیم شاہکار جنگ و جدل کے قصوں اور سیاست کے معاملات سے متعلق ہیں۔ لاطینی زبان کے عظیم شاعر و رجل کی نظموں میں بھی اُس دور کی سیاسی آویزش اور جنگ کی داستانوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ورجل کی نظم اینیڈ(Aenied)سلطنتِ روما کے قیام کو قصے کی صورت میں ہی بیان کرتی ہے۔ اِسی طرح اطالوی زبان میں دیگر عظیم نظموں کی طرح "یوروشلم لبراٹا" (Jeruslem Librata)عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگی قصوں پر مشتمل ایک نظم ہے۔ انگریزی ادب میں مِلٹن کی پیراڈائز لوسٹ(Pardise Lost)اور پیراڈائیز ری گینڈ(Paradise Regained)اگرچہ کسی جنگی واقعہ کو براہِ راست تو موضوع نہیں بناتیں، مگر کسی بھی جنگ میں برسرپیکار قوتوں میں حق اور باطل کارزم نامہ ضرور بیان کرتی ہیں۔ اگر پس منظر میں جھانکا جائے تو یہاں پر بھی سیاست ادب کو مواد فراہم کرتی ہے،کیونکہ ملٹن کی نظم کے پسِ منظر میں بھی وہ انقلابی معرکہ گامزن ہے جو کرامول اور چارلس اوّل کے درمیان رونما ہوا۔۴؎

روس، برطانیہ، فرانس اور ہندوستان کی قدیم ترین تاریخ مختلف جنگوں اور کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ ادب نے ان جنگی واقعات کو اپنے اندر بھر پور جگہ فراہم کی ہے۔یہ رحجان ادب اور سیاست کے تعلق کی ہی ایک کڑی ہے۔ کوئی بھی جنگ یا رزمیہ واقعہ کسی نہ کسی سیاسی سرگرمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس رزمیہ واقعہ یا اس کے بعد کے اثرات کو ادب میں بیان کرنے کی روایت خاصی پرانی ہے۔ ٹالسٹائی کا شہرہئ آفاق ناول جنگ اور امن (War & Peace)روس اور فرانس کی جنگ کا منظر نامہ ہے۔ نپولین کے روس پر حملے، روسیوں کی پسپائی اور پھر روسیوں کی فتح محض عسکری سرگرمیاں نہیں ہیں بلکہ اپنے پسِ منظر اور پیش منظر میں بہت سی سیاسی بحثوں کو سموئے ہوئے ہیں۔ روسیوں کا ماسکو حملے پر دفاع کرنا، پسپا ہونا اور پھر متحد ہو کر فتح پانا کافی حد تک عسکری مہارت اور واقعات سے تعلق رکھتاہے مگر نپولین کا ماسکوپر لشکر کشی کرنا سیاسی پسِ منظر کا حامل ہے۔ اسی سیاسی حقیقت اور اس کے اثرات کو جس خوبی سے ادب میں سمویا گیا ہے۔ اُس کی واضح مثال "جنگ اور امن" ناول ہے اور یہ صرف ناول تک ہی محدود نہیں بلکہ نظم میں بھی سیاسی معاملات کی عکاسی ہوتی چلی آئی ہے بلکہ اُردو ادب میں تو بعض پوری کی پوری اصناف ہی سیاسی حالات اوررزمیہ واقعات سے متعلق ہیں۔ مرثیہ کی صنف کربلا کے واقعات کو ہی بیان نہیں کرتی بلکہ حق اور باطل کی جنگ میں اُن سیاسی مسائل کو بھی بے نقاب کرتی ہے، جو تخت اور اقتدار کی ہوس کا باعث ثابت ہوتے ہیں۔ مرثیہ کی صنف اُس دور کی سیاسی آویزش کو بھی اشارتاً اُجاگر کرتی ہے، لیکن اس کی عظمت اس کے عسکری واقعات اور شہادت کے بیان میں ہی ہے۔ شہرِ آشوب کی صنف کسی شہر کے ابترحال کا نوحہ ہوتی ہے۔یہ نوحہ خوانی عموماً سیاسی مسائل کا نتیجہ ہی ہوتی ہے۔ سوداؔ کے قصائد کے ساتھ ساتھ ہجو بھی مشہور ہیں جو اپنے عہد کی سیاسی صورت حال کی عکاسی کرتی ہیں۔

اُردو سے قبل ہندوستان کے قدیم ادب پر نگاہ ڈالی جائے تو "مہابھارت" میں بھی رزمیہ اور سیاسی واقعات کی جھلک ہی نظر آتی ہے۔ یہی جھلکیاں دکنی دور کے ادب میں بھی نظر آتی ہے۔ قدیم دکنی دور میں مثنوی کی صنف غالب رہی ہے۔ اوّلین مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" بھی اسی دور کی تصنیف ہے۔ پھر بڑی معروف مثنویاں بھی دکنی دور کی ہی تخلیق ہیں۔ عادل شاہی اور قطب شاہی ادوار میں اُردو ادب کو بڑا فروغ حاصل ہوا چونکہ اکثر شعراء کا مسلک شیعہ تھا اور جنگ و جدل کے واقعات بھی چلتے آرہے تھے۔اس لیے اس دور کی مثنویاں کربلائی واقعات اور مقامی لڑائیوں کی داستان سناتی ہیں۔ اُردو کی ضخیم ترین رزمیہ مثنوی"خاورنامہ" ہے جو رستمی کی تصنیف ہے اور یہ فارسی سے ترجمہ ہے جو کہ چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ۵؎

دکنی دور کا ہی ایک مشہور شاعر غواصی ہے جو درباری شاعر کے مقام پر بھی فائز تھا۔ غواصی نظم و غزل دونوں کا شاعر تھا۔ "سیف الملوک و بدیع الجمال" اور "طوطی نامہ" غواصی کی مشہور مثنویاں ہیں۔ غواصی کی شاعری میں بھی اس دور کی سیاسی آویزش کا بیان صاف نظر آتاہے۔ "غواصی نے قصیدے، غزلیں اور مرثیے بھی لکھے۔ وہ غزل میں مسلسل کیفیت کو نظم کی صورت میں پیش کرتاہے۔ اس کی شاعری میں ملکی سیاست، عصر ی حالات اور بعض اشخاص کی مدح و ہجو بھی ملتی ہے۔" ۶؎

شہر آشوب کی صنف اپنے اندر بے پناہ سیاسی فضا لیے ہوئے ہے۔ یہ صنف ہی ایسی ہے کہ جس میں کسی شہر کی بربادی و آشوبی کا ذکر المیاتی انداز میں ہو۔اگرچہ شہر کے زوال پر واضح اور علامت میں اکثر شعراء نے اظہار خیال کیا ہے مگر شہر آشوب کی صنف تو اس مقصد کے پرچار کا ذریعہ ہے۔ یہ شہر آشوب اپنے عہد کے مختلف مقامات کا سیاسی نقشہ بھی ہوتی ہیں۔ شہر کی بربادی میں موجود سیاسی عناصر کا بڑا واضح اظہار ان شہرِ آشوب میں ملتاہے۔ ایک شاعرشہر کی بربادی پر اپنے داخلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے زمانے کی سیاسی ہلچل کو بھی اشعار کے روپ میں ڈھالتا چلا جاتاہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ادب،زندگی اور اس کے معاملات سے کبھی بھی ناآشنا نہیں رہا۔میر و سودا کا عہد ہو یا نظیر اکبر آبادی کازمانہ۔۷۵۸۱ء کا حادثہ ہو یا جزیرہئ سسلی کی غم انگیز داستان سناتی اقبال کی نظم "صقلیہ" ہو، یہ اپنے سیاسی محرکات اور تحرکات کا مکمل اظہار یہ ہیں۔ اُردو میں یہ صنف میر و سودا کے دور میں بڑی مقبولِ عام رہی۔ "اصنافِ نظم و نثر" میں بیان ہے کہ:

> "میرزا محمد رفیع سوداؔ اور میر تقی میر کے شہر آشوب، جن میں عوام کی بے روزگاری، اقتصادی بدحالی اور دلی کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے، اُردو کے یادگار شہر آشوب ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے اپنے شہر آشوبوں میں آگرے کی معاشی بدحالی، فوج کی حالتِ زار اور شرفا کی ناقدری کے خوبصورت مرقعے پیش کیے ہیں۔ ۷۵۸۱ء کی جنگِ آزادی کے بعد دلی پر جو قیامت ٹوٹی، اسے بھی دلی کے بیشتر شعراء نے اپنا موضوع بنایا ہے، جن میں میرزا غالب، داغ دہلوی اور مولانا حالی شامل ہیں۔" ۷؎

سیاسی شعور کے اظہار نے محض اصناف کو ہی جنم نہیں دیا بلکہ سیاسی مقاصد کے تحت ادارے بھی وجود میں لائے گئے۔ اس کی واضح مثال فورٹ ولیم کالج ہے۔ فورٹ ولیم کا قیام خالصتاً سیاسی مقاصد کے لیے تھا مگر اس میں ذریعہ کے طور پر ادب کو ہی اختیار کرنا پڑا۔ یوں فورٹ ولیم کالج ادب اور سیاست کا سنگم ثابت ہوا۔ انگریزوں کی حاکمانہ روش اور سیاسی مصلحت بینی نے اُردو کو ذریعہ بنا کر رعایا پر اپنے استعماری پنجے گاڑے رکھنے کا منصوبہ بنایا۔ فورٹ ولیم کالج اس منصوبے کا ایک اہم باب ہے جہاں سیاست، ادب کا دامن تھامے محوِ سفر ہوتی ہے۔ اس لیے بجا طور پر یہ سمجھ لیا گیا کہ:

> "فورٹ ولیم کالج کا قیام انگریز حاکموں کی سیاسی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے عمل میں آیا تھا اور اس کے محرکات خالصتاً ادبی نوعیت کے نہیں تھے بلکہ ان میں انتظامی مصلحتوں اور سہولتوں کی غرض بھی شامل تھی۔"۸؎

فورٹ ولیم کالج کا قیام ایک سیاسی ضرورت تھا مگر اس سیاسی ضرورت نے ادب کی نئی راہوں کو ایجاد کردیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ انگریز ملازمین کو ہندوستان میں بہتر طور پر خدمات انجام دینے کے لیے ہندوستانی تہذیب و تمدن اور زبان سے واقفیت ہونا لازم ہے اور یہ اہم فریضہ ادب کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتاہے۔ اس طرح سیاست اور ادب نے مل کر ایک ادارے کو بنیاد فراہم کی۔اس ادارے نے ہر دو میدانوں میں ترقی کے امکانات پیداکردئیے کیونکہ انگریزوں کو زبان سکھانے کے لیے جس قسم کے مواد کی ضرورت تھی وہ دستیاب نہ تھا۔ چنانچہ اس کا لج کے ذریعے سینہ بہ سینہ چلی آئی داستانوں اور عربی فارسی قصوں کو اردو میں تحریر کیا جانے لگا۔ یوں ادب اور سیاست کا امتزاج عمل میں آیا۔ اس امتزاج کے پیچھے کچھ مذہبی جذبہ بھی کار فرما تھا۔ مگر اس کے سیاسی اور اس سے بھی زیادہ ادبی نتائج برآمد ہوئے۔ اگرچہ اس منصوبے کے

خالق لارڈ ویلزلی کے نزدیک یہ منصوبہ کمپنی کے ملازمین کو اردو سکھانے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا جس کے مقاصد ادبی سے زیادہ سیاسی تھے۔۹؎

ادب کو سیاسی مقاصدکے لیے محض مقتدر طبقے نے ہی استعمال نہیں کیا،بلکہ معروف شعراء اور نثر نگاروں نے بھی بالواسطہ اور بلاواسطہ اپنے فن پاروں میں اپنے عہد کی سیاسی صورت حال کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس ضمن میں خطوطِ غالب کا نام نہ لینا اس موضوع کی صریحاً حق تلفی ہے۔ خطوطِ غالب جہاں اردو کے معروف شاعر کی ذاتی زندگی اور کلام کی بہت سی گتھیوں کو سلجھاتے ہیں وہیں یہ اپنے عہد کے عکاس بھی ہیں۔۷۵۸۱ء کے بعد سیاسی طور پر ہندوستان اور بطور خاص دلی میں جو ہلچل پید اہوئی غالب کے خطوط اس ہلچل کا ثبوت ہیں۔۷۵۸۱ء کے بعد اقدار اور افراد کی شکستِ و ریخت کا عمل جاری ہوا۔ غالب اس کے عینی شاہد بھی ہیں اور مبصر بھی۔ جنگِ آزادی کے بعد غالب جس کرب اور قیدِ تنہائی سے دو چار ہوئے اس کو محض وہ خطوں کے سہارے جھیلتے رہے۔ اُس دور میں دلی میں شب و روز اِک تماشہ ہوتا اور غالب اس کا حال خطوط میں محفوظ کرتے جاتے۔ یوں یہ خطوط اُس دور کی ایک ایسی سیاسی دستاویز بن جاتے ہیں جو ۷۵۸۱ء کے بعد کی سیاسی اور معاشرتی تاریخ کے لیے بنیادی حوالے کا کام دیتی ہے۔

خطوطِ غالب محض اپنے سیاسی اثرات کی وجہ سے مشہور نہیں ہوئے بلکہ اِن کا بنیادی حوالہ ادبی نوعیت کا ہے۔ غالب کے منفرد مگر ادبی اسلوب نے جب سیاسی مسائل کو اپنی لپیٹ میں لیا تو یہ بیک وقت ادبی اور سیاسی فن پارے کا روپ دھارتے چلے گئے کیونکہ

> "غالب نے اپنے احباب کے نام کئی خطوں میں دہلی کی بربادی اور پھر اس کی بتدریج آبادی کے سلسلے میں متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ بیانات اس دور کی اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرنے اور جائز ہ لینے کے سلسلے میں بہت اہم ہیں۔ واقعات کے بیان کے ضمن میں بعض جگہ وہ اہم سیاسی اور معاشی مسائل کے بارے میں اپنے تاثرات بھی پیش کرجاتے ہیں۔ ان تاثرات کی روشنی میں ہم اس نازک دور کی ذہنی کیفیات کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔"۱۰؎

۷۵۸۱ء کے بعد محض غالب ہی نہیں بلکہ پورا منظر نامہ ہی متا ثر ہوااور بہت سے ادیب اپنی تحریروں میں سیاسی اثرات کو جگہ دینے لگے۔ ادب جو زندگی کا آئینہ دار ہوتاہے، زندگی کی بہت بڑی تبدیلی کو نشر کرنے لگا۔ یہ تبدیلی تہذیبی اور سیاسی تھی جو انگریزوں کی آمد کے نتیجے میں جاری و ساری تھی۔ سرسید کی علمی کاوشیں اصلاحی حوالے کے علاوہ سیاسی بھی تھیں۔ اگر چہ سیاسی مقاصد کے پس منظر میں بھی اصلاحی جذبہ کار فرما تھا۔ "رسالہئ اسباب بغاوت ہند" اور اپنی مدد آپ جیسی تحریروں میں ادب، سیاست اور اصلاح کی تثلیث نظر آتی ہے۔

اصناف، ادوار اور شخصیات کے حوالے سے ادب میں سیاسی عناصر کا در آنا اس بات کا غماز ہے کہ سیاست، زندگی اور سماج کی ایک بہت بڑی جہت ہونے کے ناطے ادب کاایک اہم موضوع رہی ہے اور ادب میں یہ صرف سیاسی واقعات کے اظہار سے ہی مشروط اور محدود نہیں ہے بلکہ ادب اور سیاست کا رشتہ تو آزادی کا پرچار کرتاہے۔ فرد، معاشرہ اور ادب اُس وقت حقیقی طور پر آزاد ہوسکتے ہیں جب سیاسی سرگرمیاں مثبت انداز میں اپنا کردار ادا کر رہی ہوں۔ فرانسیسی مفکر ژاں پال سار تر نے ادب اور سیاست کے باہمی رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے بڑے پتے کی بات کی کہ "سیاسی عمل کو ایک ایسی دنیا کی تعمیر کرنی چاہیے جس میں ادب آزادی کے ساتھ آزادی کی فضا میں اظہار کر سکے۔ ادب آزادی کے اظہار کی ایک حقیقی صورت ہے۔"۱۱؎

آزادی کے اِسی اظہار کی کوشش اُردو ادب میں ابتدا سے ہی ہوگئی تھی۔ اس میں اضافہ اُس وقت ہوا جب برصغیر کی سیاسی فضا میں تبدیلی آنے لگی۔ یہ تبدیلی نمایاں طور پر ۷۰۷۱ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد آنا شروع ہوئی۔ اس دور میں انحطاط کا آغاز ہوچکا تھا۔ یہ انحطاط سیاسی، تہذیبی، تعلیمی اور معاشرتی سطح کا تھا۔ اس انحطاط کے ردِ عمل میں ادب نے اپنا فریضہ ادا کرنا شروع کیا۔ اس کاوش میں سانحہئ ۷۵۸۱ء کے بعد شدت پیدا ہونے لگی۔ خطوطِ غالب، پھر سرسید تحریک اور دیگر افراد کی علمی کو ششوں سے سیاسی مسائل بیان ہو کر اہمیت

پانے لگے۔ ادب نے نہ صرف سیاسی مسائل کو بیان کیا بلکہ ان کے حل پیش بھی کیے اور تجویز بھی کیے۔ سیاسی انحطاط کا حل تعلیم کے ذریعے ہی ممکن جانا گیا چنانچہ علی گڑھ تحریک کا عَلَم بلند ہوا۔ اس دور کے ادباء نے سیاست کو ادبی انداز میں اشارے کنایے میں بیان کرنے پر توجہ صرف کی۔ بعض اوقات براہِ راست بھی نشان دہی کی۔ غرض کئی طرح سے ادب میں سیاست کے حوالے سے تحریریں جنم لینے لگیں کیونکہ:

> "ایسے حالات میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ شعراء یا نثر نگار کسی کی موافقت یا مخالفت میں زبان نہ کھولتے۔ انتشار کا ذمہ دار کسی کو نہ ٹھہراتے۔ سیاست سے متعلق کچھ نہ کہتے۔ انھوں نے کہا اور کافی کہا لیکن اندازِ بیان آج کے طرزِ گفتار سے بالکل بدلا ہواتھا۔ یہ شعراء و نثر نگار حکومت یا حاکمِ وقت کی خرابیوں کو نام بنام نہیں بیان کرتے صاف اور نڈر ہوکر بہت گفت گو کرتے تھے۔"۱۲؎

ادب اور سیاست کا یہ رشتہ محض آج کی بات نہیں بلکہ ادب میں سیاست کا شمول تو ہوتا ہی چلا آیا ہے یہ سلسلہ یونہی چلتا بھی رہے گا کیونکہ ادب میں سیاست کوئی انہونی نہیں البتہ اندازِ نظر اور اسلوبِ بیان کے زاویے بدلتے رہتے ہیں۔ "کبھی غزل کے اشعار میں کچھ کہہ گئے، کبھی قصیدہ کی تشبیہہ میں کچھ بیان کرگئے اور جو کچھ کہا وہ بھی اشارے کنائے میں کہا۔ اس لیے عہد قدیم میں معاشرت و سیاست کے متعلق زیادہ واضح بیانات نہیں ملتے لیکن تشبیہہ و استعارے کے پردے ہٹا کر غور فرمائیے تو حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔"۱۳؎

ادب اور سیاست کے تعلق کے ضمن میں ایک نہایت اہم بات یہ بھی ہے کہ ادب کو سیاست کا آلہئ کار نہیں بننا چاہیے۔ ادب سیاست اور سیاسی واقعات کوعمدہ اسلوب میں ضرور بیان کرے مگر کسی مخصوص نقطہئ نظر کا ہی ہوکر نہ رہ جائے۔ اگر پریم چند نے اپنے خطبہئ صدارت میں اِسی حوالے سے یہ کہا تھا کہ ادب سیاست کے پیچھے پیچھے چلنے والی حقیقت نہیں بلکہ ایک ایسی مشعل ہے جو سیاست کو راہ دکھاتی ہے۔ تو علی سردار جعفری کے خیال میں پریم چند دراصل ادیب کی انفرادیت اور معاشرے کی اجتماعیت کے رشتے کو ظاہر کررہے تھے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سیاست بھی ایک تحریک کی طرح ہوتی ہے جو عوام سے براہِ راست تعلق رکھتی ہے۔۱۴؎

ادب اور سیاست کے سوتے بھی سماج سے ہی پھوٹتے ہیں سماج میں پھیلی زندگی کسی ایک جہت سے عبارت نہیں، یہ مختلف النوع سرگرمیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ادب اِن سب سرگرمیوں کا احاطہ کرتاہے لیکن توانا مظاہر کو اوّلیت بھی فراہم کرتاہے۔ سیاست زندگی کی ایک ایسی جہت ہے جو کم از کم ادب کے لیے بھرپور توانائی رکھتی ہے۔ کوئی بھی ادیب اپنے عہد اور ماضی کی سیاسی کیفیات اور واقعات سے لاتعلق رہ کر فن کی بلندیوں کو چھو لینے والے فن پارے تخلیق نہیں کر سکتا۔

اختر حسین رائے پوری، میرا جی، سعادت حسن منٹواورا یسی دیگر کئی توانا ادبی شخصیات ہیں جو معاشرت کے علاوہ سیاست پر بھی خامہ فرسائی کرتی نظر آتی ہیں۔ محمد صفدر میر نے اپنے مضمون "ادب اور زندگی" میں ان کے مختلف اقتباسات پیش کر کے ادب، سماج اور سیاست کے تعلق کے حوالے سے اہم نکات کو اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان نکات میں ادب اور سیاست کے حوالے سے مصنف کا تجزیہ قابلِ غور ہے۔ محمد صفدر میر کے سیاست کے حوالے سے اخذ کردہ اہم نکات کے مطابق:

> "برصغیر کی زندگی اور معاشرے کے ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔ ہر شے متواتر تبدیل ہورہی ہے۔ ان تبدیلیوں کے محرکات بڑی حد تک بیرونی حکومت کی وساطت سے اور بین الاقوامی تاثرات کی وجہ سے پیدا ہونے والے معاشی یا معاشرتی، سیاسی اور فکری عناصر سے متعلق ہیں۔ نیا ادب جس کے مختلف نام ہیں، اپنی معاشی، معاشرتی اور فکری تبدیلیوں کو منعکس کرتاہے اور یہی اس کی شناخت ہے۔ اس ادب میں سیاسی آزادی کے لیے وہ تڑپ پائی جاتی ہے جو ۷۵۸۱ء کے زمانے سے ہمارے معاشرے میں جاری و ساری ہے۔"۱۵؎

ادب جہاں سیاسی آزادی کے لیے تڑپ پیدا کرتاہے۔ وہیں سیاسی واقعات کا رُخ متعین کرنے میں بھی اپنا کردا ر ادا کرتاہے۔ یہ کردار سیاسی بصیرت اور ادبی رجحان کے سنگم سے وجود میں آتاہے۔ ادیب کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی مخصوص نقطہئ نظر کا اظہار کرے۔ ادیب یا ادب کو سیاسی بنانا اور اِ ن مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرنا قطعی درست نہیں۔ بالغ نظر ادیب خود ہی حالات کو اپنی فہم کے مطابق اور سیاسی پس منظر کے ساتھ پیش کرنے پر قدرت رکھتاہے کیونکہ وہ ادیب جو سیاسی معاملات کوا دب میں جگہ دینے کا زیادہ قائل ہے اُسے سیاسی پروگراموں اور واقعات سے زندگی کو اخذ کرناہوتاہے۔ سیاست کو دیکھتا ہے، سمجھتا ہے اور پھر اُس کا بیان ادبی اسلوب میں کرتاہے۔ یہ تو مسلمہ ہے کہ چاہے سیاسی واقعات ہوں یا کچھ اور ادبی پیرائے میں اظہار کی راہ پائیں گے تو ادب تب ہی کہلائیں گے اور ادیب سیاست اور زندگی کے دیگر مسائل کو اپنے فن پاروں میں جگہ تو ضرور دیتا ہے مگر وہ خود کسی آئیڈلوجی کا مقید ہوکر نہیں رہ جاتا کیونکہ اس طرح سیاست تو چمکے گی مگر فن کی موت ہوتی چلی جائے گی۔ ممتاز شیریں کے بقول

> "ادب کا تعلق زندگی سے ہے، سیاست زندگی کاصرف ایک جزو ہے۔ زندگی کے ایک شعبے کی حیثیت سے ادب میں سیاست کا بھی گزر ضرور ہے۔ یہاں ادب کو سیاسی نہ بنانے سے میرا مطلب صرف یہ ہے کہ ادب محض کسی ideologyکا آئینہ یا کسی سیاسی پارٹی کا آلہئ کار بن کر نہ رہ جائے۔ یہ بھی نہیں کہ ادب کا سیاست سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔"۱۶؎

انسان کی طرح ادب اور ادیب بھی آزاد منش ہوتے ہیں وہ سیاسی جبر کے خلاف قلم تو اُٹھا سکتے ہیں اور اُٹھاتے بھی ہیں مگر جبراً ادب تخلیق نہیں کر سکتے۔ حاشیہ بردار قسم کے قلم کار تو خیر ہر زمانے میں ہوتے ہی ہیں مگر یہاں موضوع بحث وہ ادیب ہیں جو تحریر کا خام مال سماج اور سماج میں پھیلی حقیقتوں سے کشید کرتے ہیں اور اُس خام مال کو تنقیدی پرکھ کے بعد ادبی اسلوب میں پیش کردیتے ہیں۔ اِس عمل میں اُن کی داخلی اور خارجی حسیات بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہی عوامل تحریر کو دوام بخشتے ہیں۔ مگر جب سرکاری جبر کے پہرے میں ادب کو تخلیق کروانے کی کوشش کی جاتی ہے تو تحریریں تو تخلیق ہوجاتی ہیں مگر وہ ادبی شان کو چھونے سے قاصر ہی رہتی ہیں۔ اس کی واضح مثال نپولین کے عہد میں بننے والے وہ اوپرا(Opera) ہیں جن کے ذریعے نپولین فن و ادب کی راہوں کو ایسے موضوعات کی طرف موڑنا چاہتاتھا۔ جو فرانس کے کچھ سال کے یاد گار واقعات کو امر کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے نپولین نے فرانس میں سرکاری ادب نافذ کر نے کی کوشش کی مگر اس زبردستی کے ادب کے نتیجے میں بہت ہی پست درجے کے اوپرا سامنے آئے کیونکہ ادیب آزادی کی بجائے حکم کے پابند ہوکر لکھنے پر مجبور تھے۔ ادب کا معیار گرنے لگا حتیٰ کہ ایک ہی سال بعد نپولین نے خود ہی اعتراف کیا کہ اس کے سرکاری اوپرا نے ادب اور فن کے معیارکو نیچے گرا دیا ہے۔ نپولین خود بھی ایک اچھے ادبی ذوق کا حامل تھا چنانچہ آخر میں اُس نے خود اپنے عہد کے یاد گار واقعات پر لکھوائے گئے ادب کی طرف رُخ کرنے کی بجائے راسین اور ہومر کی طرف رجوع کیا۔۱۷؎

سرکاری ادب کے تحت کبھی کبھی عظیم فن پارے جنم نہیں لیتے۔ یہ سرکاری سرپرستی کے باعث عمومیت تو حاصل کرتے ہیں مگر دائمی شہرت حاصل نہیں کرپاتے۔ البتہ ادب میں سیاسی واقعات کا بیان ضرور ہونا چاہیے۔ اگرچہ اس موضوع پر بھی دوآراء پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ طبقہ ہے جو ادب اور سیاست کو بالکل الگ رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ادب اور سیاست کا کوئی ربط نہیں ہونا چاہیے۔ ادیب کو چاہیے کہ وہ بس اپنے کام سے کام رکھے اور ایک منشی کی طرح محض ادب کا حساب کتاب جوڑتا رہے اور اپنے ماحول معاشرت اور سماج سے الگ تھلگ ہو کر ادب کے نئے دھارے دریافت کرے حالانکہ اس طرح ادب پروان چڑھنے کی بجائے حبسِ بے جا کا پابند ہو کے رہ جاتاہے۔ لہٰذا ادب کو ماحول اور سیاست سے بے تعلق ہونے کی بجائے اُس سے گہرا ربط رکھنا چاہیے۔ ادب کو سیاست سے منقطع کردینا ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک "بھولا پن اور نافہمی" ہے۔۱۸؎

اِس کے برعکس دوسرا طبقہ وہ ہے جو ادب کو براہِ راست سیاست کا حصہ بنانے پر تُلا ہوتاہے۔ ان کے نزدیک ادب کو قومی اور سیاسی راہ ہموار کرنے کا باعث ہونا اور بننا چاہیے۔ چنانچہ ادب کو ہڑتالوں، جلسے جلوسوں، معاشی ترقی کی رکاوٹوں اور قومی پیداوار کے مخالف عوامل کے خلاف تحریک کا حصہ ہونا چاہیے۔ ایسے ادب کے خالق ادیب نہیں بلکہ سرکاری حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ اِن ادیبوں کے لیے اہلِ بصیرت "ہرکارہ" کا نام تجویز کرتے ہیں۔ ۱۹؎

اب سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ ادب سیاست کو لے کر چلے یاسیاست سے پہلو تہی کر کے اپنی راہ اختیار کرے۔ دونوں پہلو ادب کی روح اور عصری شعور کے منافی ہیں تو متوازن صورت کیا ہوگی۔ وہ کیا طریقہئ کار ہوگا کہ ادب سیاست کو بھی اہمیت دے مگر سیاست کا پروردہ نہ بن کر رہ جائے۔ اِسی طرح اگر ادب سماج کا آئینہ دار بننے کا داعی ہے تو سیاست کو سماج سے منہا کیسے کیا جا سکتاہے اور ادب اتنی بڑی سماجی جہت کو یکسر نظر انداز کرکے کیسے شہرت حاصل کر سکتاہے۔ اِس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے آندرے ماریو کے خیالات کو اپنے الفاظ میں پیش کرکے جو رہنمائی فراہم کی ہے وہ بڑی اہم ہے اور توجہ طلب ہے۔ ڈاکٹر موصوف آندرے ماریو کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

> "اس کا خیال ہے کہ ہیجان، جوش و خروش اور شدید جذبات ادب پارہ کو خراب نہیں کرتے البتہ ان کو ثابت کرنے کی کوشش، سب کیے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ادیب جو کسی خاص جماعت کا آلہئ کار بن کر ان مخصوص نظریات اور لائحہ عمل کو ثابت کرنے کی کوشش میں ادب کو استعمال کرتاہے وہ ادب سے وفادار نہیں رہتا اور وہ ادیب جو ان واقعات ونظریات کو ثابت کرنے کی کوشش کے بجائے اُن کو اپنی شخصیت میں رسا بسالیتاہے وہ بڑا ادب پیدا کرنے کا اہل رہتاہے۔"۲۰؎

ادب اور سیاست کے تعلق کے حوالے سے متعدد بحثیں ہیں جو ادب اور سیاست کے تعلق کو ہر زاویے سے پرکھتی ہیں۔ ان میں ادب اور جمہوریت کا تعلق بھی ہے، ترقی پسندانہ اندازِ فکر بھی درآتاہے۔ مارکسی ادب اور سویٹ ادب کی پکار بھی سنائی دیتی ہے اور ادب اور ادیب کے فرائض بھی یاد کرائے جاتے ہیں۔ یہ سب پہلو ادب اور سیاست کے بطن سے ہی پھوٹتے ہیں اور سیاست سماج کی ہی ایک کڑی ہے۔ ادب زندگی کا آئینہ دار ہے تو وہ زندگی کے ہر شعبے کی ترجمانی بھی کرے گا وہ معاشرت ہو، سیاست ہو یا سیاست کے ضمنی مباحث: ادب ہر ایک کی توضیح کرتاہے کیونکہ ایسا ادب یا ادیب جو سیاست سے تعلق رکھنا قطعی غیر ضروری اور غیر ادبی عمل سمجھتا ہو اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوتاہے جو اُس ادیب کے ساتھ ہوا جسے ایک بار فرانس جانے کا موقع ملا تو اُس نے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فرانس کے عظیم فلسفی اور ادیب ژاں پال سارتر سے ملنے کی بھی ٹھان لی۔ وہ ادیب جب سارتر سے ملنے گئے، تب ہنگری کا سیاسی مسئلہ عروج پر تھا اور اکثر ادیب اس موضوع پر کچھ نہ کچھ لکھ رہے تھے چنانچہ سارتر نے ان سے بھی ہنگری کی سیاسی صورتِ حال کے بارے میں دریافت کیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں تو شاعر ہوں مجھے سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس پر سارتر نے بھی جواب دیا کہ پھر مجھے بھی تم ایسے لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں۔۲۱؎

مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سیاست، زندگی اور سماج کی ایک بہت بڑی جہت ہونے کے ناطے ادب کا اہم موضوع رہی ہے۔ ادب اور سیاست کے تعلق کے ضمن میں ایک نہایت اہم بات یہ بھی ہے کہ ادب کو سیاست کا آلہ کار نہیں بننا چاہیے۔ ادب،سیاست اور سیاسی واقعات کو ادبی انداز میں ضرور بیان کرے مگر کسی مخصوص نقطہ نظر کاپابند ہوکر نہ رہ جائے کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ دار ہے تو وہ زندگی کے ہر شعبے کی ترجمانی کرے گا۔ وہ معاشرت ہو، سیاست ہو یا سیاست کے ضمنی مباحث ہوں، ادب ہر ایک کی توضیح کرتاہے۔

حواشی:

(۱) اعجاز حسین،"ادب اور سیاست"، مشمولہ *ادب، زندگی اور سیاست*، مرتبہ محمد خاور نوازش (فیصل آباد: مثال پبلی کیشنز، 2012ء)، ص331
(۲) ڈاکٹر احسن فاروقی،"ادب اور ہنگامے"، مشمولہ *نقوش*، لاہور(اپریل۔ جون1966ء)، ص136
(۳) ایضاً، ص135
(۴) ایضاً،ص:136
(۵) ڈاکٹر جمیل جالبی، *تاریخ ادب اردو*، جلد اول (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، 2007ء)، ص194
(۶) ڈاکٹر انور سدید، *اردو ادب کی مختصر تاریخ*(لاہور: عزیز بک ڈپو، 1998ء)، ص115
(۷) ڈاکٹر علی محمد خاں، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک،مرتبین، *اصنافِ نظم و نثر* (لاہور: الفیصل، 2014ء)، ص91
(۸) سید وقار عظیم، *فورٹ ولیم کالج۔ تحریک اور تاریخ*(لاہور: یونیورسل بکس، 1986ء)، ص19
(۹) عتیق صدیقی، *گلکرسٹ اور اُس کا عہد*(علی گڑھ:انجمن ترقی اُردو ہند، 1960ء)، ص137
(۱۰) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، *محاسنِ خطوطِ غالب*(لاہور: بزمِ اقبال، 2003ء)، ص77
(۱۱) ژاں پال سارتر، بحوالہ *معاصر ادب*، از ڈاکٹر جمیل جالبی(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1991ء)، ص32
(۱۲) اعجاز حسین،"ادب اور سیاست"، مشمولہ *ادب،زندگی اور سیاست*، ص333
(۱۳) ایضاً، ص334
(۱۴) علی سردار جعفری، "ادب اور سیاست کا رشتہ"، مشمولہ *ادب، زندگی اور سیاست*، ص342
(۱۵) محمد صفدر میر، *تصورات*،مرتبہ شیما مجید(لاہور: کلاسیک، 1997ء)، ص71
(۱۶) ممتاز شیریں، "سیاست، ادیب اور ذہنی آزادی"، مشمولہ *ادب،زندگی اور سیاست*، ص410
(۱۷) ایضاً، ص411
(۱۸) ڈاکٹر جمیل جالبی،"ادیب اور سیاست"، *مشمولہ ادب،زندگی اور سیاست*، ص446
(۱۹) ایضاً، ص447
(۲۰) ایضاً، ص448
(۲۱) اشفاق سلیم مرزا،"تخلیق کار، سیاست اور ریاستی استبدد"، مشمولہ *ادب،زندگی اور سیاست*، ص480